سنتوں سے جڑ جائیں

تحریر: الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

سیدنا ابونجیح عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا وعظ فرمایا جس سے دل دہل گئے۔ اس سے آنکھیں بہہ پڑیں۔ ہم نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو گویا الوداعی وعظ تھا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں (مزید) وصیت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَ اِنْ تَاَمَّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ فَاِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ وَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وِ اِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ) ''میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور سننے اور ماننے کی، اگرچہ تم پر غلام ہی امیر مقرر ہو جائے، بلاشبہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہا، وہ بہت اختلاف دیکھے گا چنانچہ اس وقت تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو خوب مضبوطی سے تھامنا، بلکہ ڈاڑھوں سے پکڑے رہنا، اپنے آپ کو نئی نئی اختراعات وایجادات سے بچائے رکھنا، بلاشبہ ہر نئی بات (اور کام) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' [سنن ابوداؤد]

مفردات حدیث

(وَ عَظَنَا) وعظ ایسی نصیحت کو کہتے ہیں جس سے دل نرم پڑ جائے، خواہ وہ نصیحت ترغیب سے متعلق ہو یا ترہیب کے۔ (وَ جِلَتْ مِنهَا الْقُلُوْبُ) یعنی جس سے دل ڈر جائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''مؤمن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔'' [الانفال:۸:۲] (مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ) الوداعی نصیحت، اس کی تفصیل یوں ہے کہ ایسا وعظ واعظ کی ہیئت کے اعتبار سے، موضوع اور سامعین میں القاء کرنے کے لحاظ سے ہوتا ہے، کیونکہ یہ سب چیزیں مؤثر ترین ہیں۔ چنانچہ مواعظ کے اثر انداز ہونے میں موضوع، واعظ کی حالت اور اس کے انفعال بنیادی اسباب ہیں۔ (قَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ) وصیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے۔ ﴿وَ لَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے

کتاب دی گئی اور تمہیں بھی تاکیدی حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرو۔" [النساء:۴:۱۳۱] چنانچہ اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرنا ہر چیز کی چوٹی ہے۔ تقویٰ کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت اور منہیات سے اجتناب کرنا علم اور بصیرت کی بنیاد پر۔ (وَالسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ) یعنی حکمران کی سمع اور اطاعت ہے۔ (نیکی کے افعال میں) (اخْتِلَافًا كَثِيْرًا) یعنی عقیدہ، منہج اور عمل میں بہت زیادہ اختلاف۔ (سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ......) خلفائے راشدین سے بالاتفاق سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ (كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ) یعنی اللہ تعالیٰ کے دین میں ہر نیا کام بدعت اور دین اللہ میں بدعت گمراہی ہے۔

فوائد الحدیث

اس حدیث سے وعظ ونصیحت کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے لیکن یہ موقع ومحل کے مناسب ہو۔ نہ تو یہ وعظ طویل ہو کہ سامعین اُکتا جائیں اور نہ ہی اس قدر مختصر ہو کہ مقصد بھی پورا نہ ہو، بلکہ مناسب وقت میں ہو اور عمدہ ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ذہنی تربیت وعظ ونصیحت سے کرتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض اپنے ساتھیوں کو ہر جمعرات وعظ ونصیحت کرتے تھے۔ یعنی ہفتے میں ایک مرتبہ۔ [صحیح بخاری]

واعظین کیلئے مناسب ہے کہ وہ اپنے وعظ کو مؤثر بنانے کیلئے موضوع کے اعتبار سے ایسے الفاظ کا چناؤ کریں جس سے ان کا وعظ مؤثر بن سکے: مثلاً: اگر وہ جہاد میں شرکت کیلئے وعظ کرتا ہے تو پر جوش اور پھرتیلا ہونا چاہیے اور اگر وہ فکرِ آخرت پر وعظ کرے تو اس کی وعظ ونصیحت ایسی ہو کہ دل نرم پڑ جائیں۔ جب وعظ بلیغ اور مؤثر انداز میں ہو تو مخاطب پر اثر انداز ہوتا ہے کیونکہ صحابی نے کہا: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ سے دل نرم پڑ گئے، آنکھیں بہہ پڑیں۔" معلوم ہوا کہ جب دل ڈر جائے تو آنکھیں رو پڑتی ہیں اور اگر دل سخت ہو جائے، ہم اللہ تعالیٰ سے دلوں کی سختی سے پناہ مانگتے ہیں، تو آنکھوں سے آنسو نہیں بہتے۔

یہ بات تو عام طور ہے کہ الوداع کرنے والے کی نصیحت بڑی بلیغ اور مؤثر ہوتی ہے، کیونکہ وہ اپنی قوم کے پاس باقی نہیں رہتا کہ وہ انہیں بار بار نصیحت کرے، لہٰذا وہ ایسی بااثر نصیحت کرتا ہے جسے اس کے بعد بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی عالم دین سے نصیحت طلب کی جاسکتی ہے جس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نصیحت کیجیے۔ سب سے اہم کام جس کی کسی بندے کو وصیت کی جائے، وہ تقویٰ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔" یہاں سے تقویٰ

کی فضیلت واضح ہوتی ہے کیونکہ وہ سب سے اہم اور سب سے پہلے کی گئی ہے۔آپ ﷺ نے ولی امر کی بات سننے اور ماننے کی بھی وصیت فرمائی ہے۔کتاب وسنت کی نصوص سے ان کی بات سننا اور ماننا واجب ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول ﷺ کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں۔'' [النساء:۴:۵۹] یہاں اللہ تعالیٰ نے حکام وامراء کی اطاعت کو تیسرے مرتبے میں ذکر کیا ہے اور ان کی اطاعت کیلئے صیغہ (اطیعوا) استعمال نہیں کیا، کیونکہ ولی امر کی اطاعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے تابع ہے اسی لیے اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دے تو پھر سمع واطاعت نہیں ہے۔چنانچہ حدیث کا ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم نہیں دیتا تو پھر بھی اس کی بات سننا اور ماننا فرض ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''اس کی بات سن اور مان اگرچہ وہ تیری پیٹھ پر کوڑے مارے اور تیرا مال لے لے۔'' [صحیح مسلم] بلاشبہ یہ دونوں کام بغیر کسی شرعی سبب کے نافرمانی ہے، لہٰذا کوئی انسان ولی امر کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تیری بات کو اس وقت تک نہیں مانوں گا جب تک تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرے گا، ایسا کہنا حرام ہے، بلکہ اس پر اس کی بات ماننا فرض اگرچہ وہ رب کی نافرمانی ہی کرے، لیکن اگر وہ نافرمانی کا حکم دے تب نہ بات سننا ہے اور نہ اطاعت کرنا (فرض) ہے۔

اس حدیث سے غلام کی امارت کے صحیح ہونے کا ثبوت نکلتا ہے۔امیر کی اطاعت کرنا فرض ہے خواہ وہ حکمران نہ بھی ہو۔معلوم ہوا کہ امت اسلامیہ کے قدیم زمانہ میں خلیفہ یعنی سلطان ہوتا تھا اور یہاں آج تک ملکوں کے امراء ہیں تو جب امیر کی اطاعت واجب ہے تو سلطان (حکمران) کی اطاعت تو بالاولیٰ لازم ہے۔یہاں ایک سوال عام کیا جاتا ہے کہ کیا سفر کے امیر کی اطاعت بھی فرض ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سفر کے امیر کی بھی اطاعت فرض ہے لیکن اس کی اطاعت سفر سے متعلق امور میں لازم ہے نہ کہ ہر چیز میں۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ظاہر ہو گئی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جو زندہ رہا، وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔'' اب کیا ہم اس طرح کا جملہ بول سکتے ہیں کہ تم میں جو زندہ رہا تو وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس طرح کا جملہ نہیں بول سکتے، لیکن فی الواقع جو بندہ بھی لمبی عمر پائے گا تو بہت اختلاف دیکھے گا۔اختلاف کے وقت نبی کریم ﷺ کی سنت کو تھامنا، واجب اور

فرض ہے اور یہ ہر حال میں فرض ہے لیکن اختلاف کے وقت مزید تاکید کی گئی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی پتا چلا کہ نبی اکرم ﷺ کی سنت کی تعلیم حاصل کرنا ہر انسان پر فرض ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت کو بغیر علم کے تھامنا ممکن ہی نہیں۔ جب علم ہوگا کہ یہ سنت نبوی ہے پھر ہی اسے تھامنا ممکن ہوگا۔

خلفائے راشدین کی سنت قابل اتباع ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ اس لیے جس کام کو خلفائے راشدین جاری کریں اس کام کو رسول اللہ ﷺ کی سنت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ آپ ﷺ نے ان کی سنت کو برقرار رکھا ہے اور آپ ﷺ نے ہی خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع کی وصیت فرمائی ہے۔ چنانچہ بعض بے وقوف لوگ جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ سنت کی اتباع کرنے والے ہیں حالانکہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں، مثلاً: کہتے ہیں کہ جمعہ کی پہلی اذان بدعت ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں نہیں تھی، بلکہ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سنت ہے تو انہیں (جواباً) عرض کیا جائے گا کہ کیا سنتِ عثمانی کو لیا جائے گا یا وہ رائیگاں ہے؟ بلاشبہ اس کا یہی جواب ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت نہیں ہے کیونکہ ان کے عہد میں ایک ایسا سبب موجود تھا جو کہ عہد نبوی میں وہ سبب نہیں تھا۔ عہد نبوی میں مدینہ بالکل چھوٹا تھا۔ پہلی اذان کی حاجت نہ تھی لیکن عہد عثمانی میں مدینہ بہت پھیل چکا تھا۔ لوگ زیادہ ہو چکے تھے تو پھر پہلی اذان کی ضرورت کے پیش نظر جاری کیا گیا تا کہ لوگ جلد امام کو مل جائیں اور یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا فعل حق اور نبی کریم ﷺ کی سنت ہے اور پھر اس کی اصل سنت نبوی سے بھی ثابت ہے جیسا کہ رمضان میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور ام مکتوم رضی اللہ عنہا دونوں اذان کہا کرتے تھے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب امت میں کئی گروہ ہو جائیں تو پھر کسی ایک گروہ کی طرف منسوب نہ ہوا جائے چنانچہ زمانہ قدیم میں خوارج، معتزلہ، جہمیہ اور رافضہ جیسے کئی گروہ ظاہر ہوئے، پھر زمانہ اخیر (آج کل) میں اخوانی، سلفی، تبلیغی، اور ان جیسی کئی جماعتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ پس ان تمام فرقوں کو ایک طرف رکھ کر اس امام کو لازم پکڑنا فرض ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے رہنمائی فرمائی ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تمام مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ ان کا مذہب سلف کے مذہب جیسا ہو، نہ کہ کسی معین گروہ کی طرف منسوب ہوا اور اس کا نام سلفی رکھ لیا جائے۔ اصل میں مطلوب سلف کی اتباع ہے۔ یہاں پر ہم ان سلفی لوگوں کا انکار نہیں کر رہے جو اس کے مستحق ہیں، بلکہ ان کے اس طریقہ بدعت کا علاج کرنے کی وجہ سے انکار کر رہے

ہیں، کیونکہ ان میں بعض بعض کو گمراہ، بدعتی اور فاسق قرار دیتے ہیں، لہٰذا ان تمام فرقوں کے سربراہان کو چاہیے کہ جمع ہو کر یہ کہیں کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کافی ہے، ہم اسی کے مطابق فیصلے کریں گے، خواہشات اور آراء وغیرہ کو دخل اندازی نہیں کرنے دیں گے۔

نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازماً اور مکمل طور پر تھامنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس حدیث میں بدعات سے بچنے کی ترہیب ہے۔ ان بدعات سے مراد دین اسلام میں جو نئے امور وقوع پذیر ہوں، ان سے اجتناب کرنا ہے لیکن جو دنیوی نئے امور ہیں، ان میں کچھ مطلوب ہیں اور کچھ مذموم ہیں۔ یہ نتیجے اسبار سے ہیں، مثلاً: لڑائی اور جنگ کے طور طریقے، روابط اور تعلقات کے طریقے اور ذریعہ آمدورفت کے طریقے یہ سب محدث نئے امور ہیں، اس سے پہلے اس قسم کی کوئی صورت ایجاد نہیں ہوئی تھی، مگر ان میں کچھ درست اور کچھ غیر درست ہیں، لہٰذا جن امور محدثہ (بدعات) سے روکا گیا ہے، وہ دین میں عقیدے، اقوال اور افعال سے متعلق ہیں، چنانچہ دین میں ہر چھوٹا بڑا نیا کام بدعت ہے۔

بدعت کے حوالے سے ایک اشکال اور اس کا جواب

اگر کوئی شخص کہے کہ ہر محدث کام بدعت ہے۔ یہ ایک واضح ترین عام قاعدہ کلیہ ہے، تو پھر رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے؟ جو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ شروع کیا تو اسے اس کا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا اجر و ثواب ملتا ہے۔'' [صحیح مسلم] اس کا جواب دو لحاظ سے ہے۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص نے کسی مسنون عمل کی ابتدا کی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد تب فرمایا تھا جب آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو صدقہ پر ترغیب دلائی، پھر ہر صحابی نے اپنی استطاعت کے مطابق صدقہ کیا، تو معنی یہ ہوئے کہ جس نے کسی مسنون عمل کی ابتداء کی نا کہ یہ جس نے کوئی نیا طریقہ ایجاد کیا۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جس نے کسی مشروع چیز تک پہنچنے کیلئے کوئی ذریعہ جاری کیا جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قرآن مجید کو کئی مصاحف سے ایک مصحف پر اکٹھا کرنا یہ ایک اچھی سنت ہے کیونکہ اس سے مقصود مسلمانوں کو باہمی اختلاف، تفرقہ اور گمراہی سے بچانا تھا۔ اسی طرح احادیث کو جمع کرنا، تبویب اور اس کی ترتیب لگانا ہے۔ یہ اچھا طریقہ ہے، اس کے ذریعے سے سنت کی حفاظت تک پہنچا جا سکتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر قسم کی بدعت گمراہی ہے، اس میں ہدایت نہیں بلکہ یہ محض شر ہی ہے، یہی تک کہ بدعتی اسے مستحسن ہی کیوں نہ کہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ آپ ﷺ نے کچھ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں کیا۔ اس لیے جنہوں نے اس کی پانچ یا تین اقسام بنائی ہیں، وہ درست نہیں۔ کیونکہ ہم علم یقین سے جانتے ہیں کہ شریعتِ الٰہی کو سب سے زیادہ جاننے والے رسول اللہ ﷺ تھے، اللہ کے بندوں کے سب سے زیادہ خیر خواہ، سب سے زیادہ فصیح اللسان اور سب سے زیادہ مخلوق میں سچے تھے۔ یہ چار اوصاف مکمل طور پر رسول اللہ ﷺ میں موجود ہونے کے باوجود کوئی شخص بعد میں کہے کہ بدعت گمراہی نہیں ہے بلکہ اس کی اقسام ہیں: بدعت حسنہ، بدعت مباح، بدعت مکروہ، بدعت حرام اور بدعت واجب۔ سبحان اللہ العظیم۔ بعض اسے بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس کی مثال وہ یہ دیتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک مصحف میں تمام مصاحف کو جمع کرنا، احادیث کو لکھنا وغیرہ۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بدعت نہیں ہے، اس میں کوئی شک نہیں یہ ایک اچھا عمل ہے مگر بدعت نہیں، یہ ایک شرعی امر مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے، ہم اپنی طرف سے کوئی عبادت ایجاد نہیں کرتے۔ یہاں پر وسائل، ذرائع اور مقاصد کے درمیان فرق کو سمجھنا نہایت ضروری ہے، کیونکہ تمام وہ مثالیں جو یہ لوگ دیتے ہیں کہ یہ بدعت حسنہ ہے وہ اسی پر منطبق ہوگی۔

کوئی کہتا ہے کہ اذان کیلئے مائیکروفون استعمال کرنا بدعت ہے۔ اس کے ذریعے عمل جائز نہیں ہے؟ ہم کہتے ہیں یہ امر مقصود تک پہنچنے کیلئے ایک اچھا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ چنانچہ ہم اہل باطل سے ان کی بدعات کے سلسلے میں جھگڑا کریں ممکن نہیں ہے صرف ایک راستہ ہے ہم کہیں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ اسی طرح کوئی کہے کہ آپ خلیفہ راشد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس قول کے متعلق کیا کہتے ہیں جس وقت انہوں نے قیام رمضان کیلئے لوگوں کو ایک امام پر اکٹھا کیا اور ایک ماہ گھر سے نکلے تو انہوں نے کہا: یہ کس قدر اچھی بدعت ہے۔

بعض علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس بدعت سے مراد لغوی بدعت ہے شرعی نہیں۔ لیکن یہ جواب درست نہیں ہے کیونکہ وہ نماز ہے اور یہ بدعت لغوی کیسے ہوسکتی ہے؟ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ نسبتی بدعت ماد ہے۔ یہ اس بات کی طرف نسبت ہے کہ لوگوں نے ایک امام کے ساتھ تراویح پڑھنے کو چھوڑ دیا تھا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ نبی ﷺ نے تین راتیں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باجماعت نماز تراویح پڑھائی، آپ ﷺ نے فرضیت کے خدشے سے اس کے بعد جماعت کروانا چھوڑ دی، پھر لوگ مسجد میں آکر اپنی اپنی نماز اکیلے اکیلے پڑھنا شروع ہو گئے، پھر دو دو مل کر اسی طرح بعض تین آدمی اکٹھے نماز پڑھتے، چنانچہ عمر بن

خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جب یہ حالت دیکھی تو انہوں نے پہلی سنت، کہ ایک امام کے ساتھ مل کر نماز (تراویح) ادا کرنا، کی طرف لوگوں کو جمع فرما دیا۔

لہٰذا ہمارا ایمان ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ تاہم پھر ان میں بعض بدعت مکفرہ، بدعت مفسقہ اور ایسی بدعت کہ صاحب بدعت اس میں معذور ہوتا ہے۔ (ان تینوں کا الگ الگ حکم ہے)۔

ایسی بدعت کہ اس کا عامل اس بدعت میں معذور ہوتا ہے، وہ اس کی گمراہی سے نکل نہیں سکتا لیکن اس سے جو بدعت کسی تاویل یا اچھے مقصد کیلئے صادر ہوئی ہو تو وہ اس میں معذور ہوگا۔ مثلاً امام نووی اور ابن حجر رحمہ اللہ ہیں۔ علمی دنیا میں ایک نام ہے لیکن نووی رحمہ اللہ نے صفاتِ باری تعالیٰ کی تفسیر میں بعض مقام پر خطا کی ہے۔ تو کیا ہم ان کو بدعتی کہیں گے؟ ہم کہتے ہیں ان کا قول بدعت ہے لیکن وہ خود بدعتی نہیں ہیں کیونکہ درحقیقت وہ تاویل کرنے والے ہیں اور تاویل کرنے والا اپنے اجتہاد کے ساتھ خطا کر جائے تو بھی اسے اجر ملتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مجبور شخص کلمہ کفر یا کفریہ کام کرتا ہے تو کیا ہم اسے کافر کہیں گے؟

نہیں، ہم کہتے ہیں یہ قول اور فعل کفر ہے، کلمہ کفر کہنے والا یا کفریہ کام کرنے والا کافر نہیں ہے۔ اسی طرح ابن حجر رحمہ اللہ ہیں، طریقہ تاویل میں کبھی وہ سلف کے طریق پر چلتے نظر آتے ہیں اور کبھی تحریف کے راستے پر چلتے نظر آتے ہیں۔ ہم ان دونوں کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کی اغلاط کو ہم قبول نہیں کرتے۔ ان کا خطا الگ ہے اور ان کا اجتہاد ایک الگ معاملہ ہے۔

بدعت مکفرہ یا بدعت مفسقہ کے مرتکب پر ہم کافر یا فاسق ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ یہاں تک کہ اس پر حجت قائم کر دیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ﴾ ''اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں حتیٰ کہ وہ ان کی کسی بڑی بستی میں کوئی رسول بھیجتا ہے، وہ ان پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے، اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر (اسی وقت) جبکہ ان کے باشندے ظالم ہوں۔'' [القصص:۵۹] اور فرمایا: ﴿وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ ''اور ہم کبھی نہیں عذاب دینے والے یہاں تک کہ ہم کوئی پیغام دینے والا بھیجیں۔'' [بنی اسرائیل:۱۷:۱۵] ہمیں چاہیے کہ ہم اس معاملے میں جلد بازی نہ کریں کہ کسی کے کافر، فاسق یا بدعتی ہونے کا فتویٰ صادر کر دیں اور نہ ہی ہمیں ایسے شخص کو بدعتی کہنا چاہیے جو ہزار سنتوں پر عمل پیرا ہو اور ایک آدھی بدعت کا مرتکب ہو۔